پروفیسر عبدالغفور چودھری

یورپ میں اسلام کا اخلاقی محاذ

اسلام اور یورپ کے باہمی تعلقات میں لاگ بھی رہا ہے اور لگاؤ بھی۔ لیکن لاگ کے اثرات لگاؤ پر اکثر بھاری رہے ہیں۔ لگاؤ سے تو نئی آمیزشیں، نئے ثقافتی آمیزے بلکہ مرکبات وجود میں آتے ہی ہیں۔ لیکن جب تلوار کی ٹکر تلوار سے ہوتی ہے تو اس میں سے بھی ایسی چنگاریاں اڑتی ہیں جو اکثر قومی زندگی کے خس و خاشاک کو آگ لگا دیتی ہیں۔ قومیں جنگ کی بھٹی سے کندن بن کر ہی نکلتی ہیں اور جنگ کے گرد و غبار میں سے قوموں کے اخلاق اس طرح تابندہ اور درخشندہ ہو کر نکلتے ہیں جیسے بادلوں میں سے ماہتاب جب اس کا نور جنگ کے گھن گرج بادلوں سے چھن چھن برستا ہے تو اس سے دوست ہی نہیں بلکہ دشمن بھی محروم نہیں رہتے۔ اسلامی تاریخ میں کندن بننے اور بنانے، میدانِ جنگ میں نکھرنے اور سنورنے کا یہ عمل برابر جاری رہا۔

آویزش یا آمیزش

پاکستان اور بھارت کی جنگ اسی عمل کی ایک درخشندہ مثال ہے۔ موجودہ دور میں جنگ کی تاریخ میں پاکستانی فوج کی ہی شاید اکیلی مثال ہے جس کے بارے میں خود دشمن نے اعتراف کیا ہے کہ پاکستانی فوج کے ہاتھوں کسی عورت کا اغوا نہیں ہوا۔ مفتوحہ علاقوں میں اشیائے خوردنی کے فراواں ذخائر کے مابین ہمارے بھوکے پیاسے سپاہی کے منہ میں اس کا ایک لقمہ بھی نہیں جا سکا کیونکہ زندگی و موت کے اس معرکہ میں اس نے ایک لمحہ کے لیے بھی حرام اور حلال کی تمیز کو فراموش نہیں کیا۔ اہلِ مغرب کے ساتھ جہاں جہاں بھی اسلامی مجاہدین کا تصادم ہوا انھوں نے اخلاقِ اسلامی کا ایسا ہی مظاہرہ کیا اور اس سے دوسری قومیں متاثر ہوئیں۔ اسلامی اخلاق اور ثقافت کا گہرا اور دیرپا اثر اکثر ایسی ہی آویزشوں سے پیدا ہوا اور اُن ہی آویزشوں نے نئی آمیزشوں کو جنم بھی دیا۔

اخلاقی اثرات کے محاذ

مغرب پر اسلام کے اخلاقی اثرات کے محاذ کئی ایک رہے ہیں۔ اندلس، سسلی، صلیبی جنگوں کا زمانہ،

ان کے علاوہ ان مسلمان تاجروں کے اثرات جو بحیرہ خزر سے چلتے تھے اور ٹنڈرا کی منجمد وسعتوں تک پہنچ جاتے تھے۔ یہ لوگ جس طرح اسکیمو لوگوں سے قاقم وسنجاب کی تجارت بدلی (Barter) کرتے تھے اس کا حال ابن بطوطہ نے نہایت دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ بحیرہ بالٹک کے ساحلی علاقوں میں زمین کے اندر سے آج بھی خاندان عباسیہ کے ابتدائی دور کے سکے ملتے ہیں۔ اس ثقافت کی عزیز ترین نشانی وہ مسلم آبادیاں ہیں جو آج بھی پولینڈ میں موجود ہیں اور جو اس سرزمین کے برفانی جھکڑوں میں بھی آج بھی اس قیمتی ورثہ کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

اسلامی ثقافت کے عطیے

اسلامی ثقافت نے مغرب کے گلستانوں کو نئے پھول، ان کے بوستانوں کو نئے پھل۔ ان کے عطر دانوں کو نئی خوشبوئیں۔ ان کے ایوانوں کے لیے نیا ساز و سامان، ان کے نغمستان کے لیے نئے ساز۔ ان کے لباسوں کو نئے رنگ عطا کیے۔ مغربی یورپ کی زبانوں میں عربی کے الفاظ ان جگمگاتے ہوئے ستاروں کی طرح نظر آتے ہیں جنھوں نے اس کے ثقافتی اندھیارے میں ایک نئی روشنی، ان کی آنکھوں کے لیے نئی بصارت، ان کی سماعت کے لیے نئی دھنیں اور ان کے لبوں کے لیے نئے آہنگ عطا کیے۔ اس ثقافت نے عبادت گاہوں کے مرقعوں میں حضرت مریم کے لباسوں کی سجاف پر قرآنی آیات کی کشیدہ کاری کروی گرجاؤں کی محرابوں کو عربی خطاطی کے شہ کاروں سے مزین کر دیا اور مدتوں تک اہل مغرب کو یہ بھی پتہ نہ چلا کہ یہ خط کوفی ہے یا پھول پتیوں کی نقش کاری۔

اسلامی ثقافت نے مغرب کی برفانی وسعتوں میں جو نئے گل و گلزار کھلائے اس پر مغربی مستشرقین نے تحقیقات کا اچھا خاصہ حق ادا کیا ہے۔ مثلاً ۱۹۶۳ء ہی میں جرمنی کی ایک مستشرقہ نے مغرب پر اسلامی اثرات کے بارے میں جو کتاب لکھی ہے اس کے افتتاحیہ پیراگراف میں وہ قاری کو ایک قہوہ خانہ (Cafe) میں جانے کی دعوت دیتی ہے اور ایک سانس میں بیسیوں ایسے عربی الفاظ گنا دیتی ہے جو قہوہ خانہ کے ماحول میں روزانہ کی بول چال میں مستعمل ہوتے ہیں اور جو مغربی یورپ میں عوامی زبان کا جزو بن چکے ہیں۔

ثقافت کے زیرزمین دھارے

لیکن اسلامی اثرات کے ان ظاہری آثار سے قطع نظر، اس ثقافت کی بعض غیر معلوم سوتیں ایسی بھی ہیں جو یورپ کے تہذیب و تمدن میں زیرزمین دھارے کی طرح جاری وساری ہیں اور جنھوں نے وہاں کی

یخ بستہ اور خون آغشتہ زندگی کو اپنی گرم جوشی سے نرم و گداز کر دیا۔ یہ اسلام کے وہ گہرے اخلاقی اور سماجی اثرات ہیں جنھوں نے یورپ کو تاریک دور (Dark Ages) سے نکال کر تہذیب و تمدن کے جگمگاتے ہوئے دور میں لا کھڑا کیا۔

ایک جرمن رزمیہ کا منظر

مغرب کے مستشرقین نے اسلامی اثرات کے اس پہلو پر مقابلۃً کم توجہ کی ہے اور نہ ہی انھوں نے اس کی ضرورت سمجھی ہے۔ ان گہرے سرچشموں کی کھوج نکالنے کا فریضہ تو ہمارے اپنے اہل تحقیق پر عائد ہوتا ہے۔

مغرب میں اسلام کے اثرات سے پہلے کا دور Dark Ages یا تاریک زمانہ کہلاتا ہے۔ ایسا تاریک دور جس سے تاریکی بھی وحشت کھاتی ہے۔ اس دور کی ثقافتی تاریخ پر بھی تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اگر آپ اس تاریکی کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے ہیں تو آیئے آپ کو وی آنا (Vienna) کے شاہی ایوانوں میں لے چلیں جہاں ہُن سردار اٹیلا (Attila) کی بیوی کریم فلڈ (Kriemfield) علاقہ برگنڈی کے سرداروں کو دعوت دے رہی ہے۔ یہ سین جرمن زبان کی ایک قدیم رزمیہ نیبو لنجن لیڈ (Nibulengenlied) سے لیا گیا ہے۔ کریم فیلڈ خود برگنڈی کی رہنے والی ہے۔ اس کو برگنڈی کے سردار ہاگن (Hagen) سے یہ شکایت ہے کہ اس نے ایک آبائی خزانہ کو ایسا چھپایا کہ کسی کو پتہ نہ ہونے دیا۔ کریم فیلڈ اپنے قبیلہ والوں کو ایک بڑے ہال میں دعوت دیتی ہے۔ ابھی دعوت پورے جوبن پر نہیں آئی کہ کریم فیلڈ کے چھپے ہوئے سورما مہمانوں پر پل پڑتے ہیں۔ ہاگن اور اس کے ساتھی بڑی بے جگری سے لڑتے ہیں۔ لڑائی کے دوران میں ہاگن کریم فیلڈ کے پانچ سالہ بیٹے کو قتل کر کے اس کے سر کو کریم فیلڈ کی گود میں پھینک دیتا ہے۔

کریم فیلڈ ایک زخمی شیرنی کی طرح اپنے آپ سے باہر ہو جاتی ہے۔ اس کے سورما بھی دیوانگی کے عالم میں برگنڈی والوں پر حملہ کر رہے ہیں۔ ان میں کریم فیلڈ کا چھوٹا بھائی بھی ہے جس کی عمر پانچ سال کی ہے۔ وہ بہن کے قدموں پر گر جاتا ہے اور اپنی جان بچانے کے لیے اسے اپنی محبت اور خلوص کا واسطہ دیتا ہے مگر بہن کے غیظ و غضب کے طوفان میں اس کی ننھی منی آواز بھی گم ہو کے رہ جاتی ہے اور اس کی لاش بھی مردوں کے ڈھیر پر تڑپتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آخر میں کریم فیلڈ باہر نکل کر ہال کا دروازہ تیغہ کرا کے ہال میں آگ لگا دیتی ہے اور جب اس کے قبیلہ کے لوگ اندر پیاس کے مارے تڑپتے ہیں تو کہتی ہے

مُردوں کے خون سے اپنی پیاس بجھاؤ۔ وہ بیچ بیچ لاشوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور انھیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ آخر میں برگنڈی کا سردار ہاگن گرفتار ہو جاتا ہے۔ کریم ہلڈ پوچھتی ہے خزانہ کہاں ہے وہ جواب دیتا ہے پہلے تم اپنے بڑے بھائی گنتھر (Gunther) کا سر اڑادو تب بتاؤں گا۔ اس کا سر تلوار سے اڑا دیا جاتا ہے لیکن وہ اس پر بھی راز بتانے سے انکار کر دیتا ہے۔ اس پر کریم ہلڈ اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کرتی ہے اور آخر میں خود بھی قتل ہو جاتی ہے۔

یہ ہے تاریک زمانہ کی ایک رزمیہ اور یہ اس زمانے کی اکیلی داستان نہیں بلکہ بیسیوں رزمیہ نظموں کی نمائندہ ہے۔ انگلستان میں اینگلو سیکسن زبان کی رزمیہ Beowulf بھی اسی کا ایک عکس ہے۔

شمالی قبائل کی ثقافت

روز مرہ کی زندگی میں شمال کے نارس (Norse) قبائل بھی برگنڈی والوں سے کم نہیں تھے۔ دشمن گرفتار ہو جاتا تھا تو اس کو گھوڑوں کے سموں کے نیچے کچل دیا جاتا تھا۔ مجرم کو الٹا لٹکا دیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ایک زندہ بھیڑیے کو بھی آویزاں کر دیا جاتا تھا جو اسے نوچ نوچ کھا جاتا تھا یا پھر اس کی ٹانگوں کو دو گھوڑوں سے باندھ دیا جاتا تھا۔ گھوڑوں کو بے تحاشا دوڑایا جاتا تھا تو اس کا جسم پھٹ کر دو حصے ہو جاتا تھا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ ان حالات کے باوجود ان قبیلوں میں عورت کی حیثیت عیسائی علاقوں سے یقیناً بہتر تھی۔ اس تمدن میں عورت کی کوکھ سے سورما پیدا ہوتے تھے عیسائی ملکوں کے عقیدے کے مطابق عورت گناہ کو جنم دیتی تھی۔ ان قبائل میں عورت کو میراث میں سے بھی ایک تہائی حصہ ملتا تھا۔

ان قبیلوں نے جب عیسائیت کو قبول کر لیا تب بھی ان کی وحشت اور روزندگی میں کوئی کمی نہ آئی۔ جب ایک قبیلہ کے سردار رانڈ (Rand) نامی نے عیسائی ہونے سے انکار کر دیا تو اولف (Olaf) شاہ ناروے نے اس کے گلے کے اندر ایک سانپ منہ کی جانب سے اتار دیا اور اس کی دُم کو آگ دے دی جس سے سانپ نے بھنبھنا کر اندر ہی اندر ایسے ڈنگ مارے کہ اس کا وہیں خاتمہ ہو گیا۔

ثقافت کے اس تاریک مرقع میں زیادہ گہرے رنگ بھرنے کی حاجت نہیں۔ اگر کمی محسوس ہو تو پہلی اور دوسری صلیبی جنگ میں صلیبیوں کے کارنامے ملاحظہ ہوں جو مغربی یورپ سے صلیبی سفر کا آغاز کرتے تھے تو عیسائی ملکوں میں ہی یورپ وسطی اور مشرقی یورپ کی شاہراہوں پر، اپنے پیچھے لٹی ہوئی عصمتیں اور جلے ہوئے شہر، کشتوں کے پشتے اور راکھ کے ڈھیر چھوڑے جاتے تھے۔

نئی بہار اور نئے بانکے

لیکن یک بارگی تاریخ کے اسٹیج سے یہ تاریک پردہ اٹھ جاتا ہے اور اس ٹھٹھرتے ہوئے ثقافتی برفستان میں، جہاں بھیڑیوں کی وحشت ناک چیخوں کے سوا کچھ اور سنائی نہیں دیتا ایک نئی بہار نظر آنے لگتی ہے۔ ہر جانب نئے شگوفے اور ہر سمت نئے رنگوں اور آہنگوں کا طوفان ہے۔ انگلستان کی پرانی رزمیہ Beowulf جس کے ہیرو کا نام ہی بھیڑیا پہلوان ہے اس کی جگہ نائٹ (Knight) یا ازمنہ وسطیٰ کا بانکا لے لیتا ہے۔ اس کے لیے Knight کا مثالی کردار صلاح الدین ایوبی ہے۔ وہ عرب مجاہدین کی طرح بھاری بھرکم بھدّے ہتھیاروں کی جگہ دمشقی فولاد کی تلوار استعمال کرتا ہے۔ اسی کی طرح اپنی زرہ بکتر کے پیچھے گدے دار واسکٹ یا قراغند پہنتا ہے۔ اس کی ڈھال پر ایسے ہی ثقافتی نشان ہیں جنہیں عرب شاہسوار استعمال کرتے تھے۔ کہیں دو سروالا عقاب ہے۔ کہیں کنول کا شاہی نشان۔ وہ صلاح الدین کے ساتھیوں کی طرح ٹورنامنٹ کرتا ہے۔ خوشی کے موقع پر ان ہی کی طرح شہر میں چراغاں کرتا ہے۔ دیواروں اور دریچوں پر پردے لٹکاتا ہے۔ اس سے پہلے امرا کی قیام گاہیں ایک قسم کی عارضی کیمپ گاہیں ہوتی تھیں، اب یہ برجوں اور میناروں والے قلعوں میں تبدیل ہو گئیں اور ان کے مختلف حصوں کا نام آج بھی اپنے عربی ماخذوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

خاتون کا نیا تصوّر

تاریک دور اور ازمنہ وسطیٰ کے اشراف کی زندگی میں عورت قوت اور تشدد کے آگے سر نیوڑھائے ہوئے تھی۔ اب جنوبی فرانس اور شمالی اسپین کی شاعری میں عورت کا ایک نیا تصور اس کا ایک نیا منصب نظر آتا ہے۔ اس نئی شاعری میں پرانے اوزان کی جگہ اندلس کی زجل اور موشح کے بحور اور اوزان استعمال ہو رہے ہیں۔ ان کا موضوع ایک دھڑکتی ہوئی محبت ہے جس کا اظہار نہایت جذباتی نزاکت اور ادبی نفاست سے کیا جا رہا ہے۔ شاعر کی محبوبہ کوئی دوشیزہ نہیں وہ ایک خاتون ہے۔ وہ خاتون ان خوبیوں اور اوصاف کا مرقع ہے جو شاعر کی ہوی میں موجود ہیں۔ اس کی پرستش سے ایک ایسی اخلاقی قوت کا ظہور ہوتا ہے جو شاعر کی زندگی کو بھرپور اور بلند بناتی ہے۔ محبت کا یہ فن اور خاتون کا یہ مسلک کہاں سے آیا۔ ازمنہ وسطیٰ کے اوضاع اور اطوار ایسے نہیں تھے۔ خاتون کا یہ مسلک اس روحانی محبت کے تصور سے بھی بالکل علیحدہ ہے

جس کے رنگ میں مذہبی لوگ بی بی مریم کی پرستش کرتے تھے۔ جنوبی فرانس کی یہ نئی شاعری اپنے دور کی اندلسی شاعری کی ایک صنف زجل سے خاص مشابہت رکھتی ہے اور اٹھارویں صدی کے مستشرق باربی ابری (Barbieri) اور بیسویں صدی کے محققین کا یہی کہنا ہے کہ یہ انقلاب اسلامی تمدن اور اسلامی ثقافت کا مرہون منت ہے۔

دانتے اور ابن عربی

اس سے کچھ عرصے کے بعد دانتے (Dante) اپنی شہرۂ آفاق کتاب (Divine Comedy) تصنیف کرتا ہے۔ اس نے یورپی ادب میں Dolce Stil Nuovo یعنی The Sweet new style کی بنیاد رکھی۔ اس سے یورپ کے ادب میں ایک نئی آواز اور ایک نئے باب کا افتتاح ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ نئی اقدار اور نئے معیاروں کا دریچہ کھل جاتا ہے۔ اس کتاب میں بقول پروفیسر Miguel Asin ابن عربی کی فتوحات مکیہ، اور کتاب "الاسراء الی المقام الاسریٰ" کا عکس ہی نہیں بلکہ منزل بہ منزل گہری مماثلت نظر آتی ہے۔ اس وقت تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہو چکا تھا۔ جو معراج سے متعلق ہیں۔ اگر زجل کے ذریعہ جنوبی فرانس کے شعرا نے عوامی ادب اور زندگی کی اقدار کو اپنایا تو Dante نے ابن العربی اور احادیث کے لاطینی تراجم سے اسلامی ثقافت کے اخلاقی پہلو کو مغربی ادب میں سمونے کی کوشش کی۔

سماجی تنظیمیں

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں کسانوں کی زندگی۔ غلاموں کی طرز حیات۔ اہل حرفہ کی فنی برادریوں (Guilds)۔ شہری نظام، سبھی جگہ زندگی کی ایک نئی روح، رواں اور دواں نظر آتی ہے۔ دیوانوں کے علاج، جذامیوں کے لیے انتظام۔ شفاخانوں کا انصرام۔ یونیورسٹیوں کا آغاز اور ان کا نظام سبھی جگہ ایک خوشگوار انقلاب محسوس ہوتا ہے۔ اسلامی دنیا میں اہل حرفہ کی تنظیموں کا نظام یورپ کی نسبت بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا۔ اگر آپ مقامات حریری کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ اس دور میں مختلف اہل حرفہ کیا فقیروں بلکہ چوروں تک کی اپنی اپنی تنظیمیں موجود تھیں۔ تیرھویں صدی میں تو اہل حرفہ کی ان تنظیموں نے اخوان کی صورت اختیار کر لی تھی۔ یہ مجاہد صوفیوں

کی وہ جماعتیں تھیں جنھوں نے ایشیائے کوچک کی شہری زندگی کو مجاہدانہ انداز میں منظم کیا اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سرفروش محافظ مہیا کیے۔ غالباً اہل حرفہ کے یہ تنظیمی سانچے، مغربی یورپ میں صلیبیوں اور مسلمانانِ اندلس کے ذریعہ پہنچے۔ انھوں نے اہل حرفہ کی اخلاقی اور سماجی زندگی میں خوش گوار تبدیلی پیدا کر دی۔

شہری زندگی کے نئے سانچے

شہری زندگی کی تنظیم کا تو اہل مغرب کو تصور تک نہیں تھا۔ اسپین میں آج بھی شہر کے Mayor کو Alcalde کہا جاتا ہے۔ یہ عربی کے لفظ القائد سے ماخوذ ہے۔ انگریزی کا لفظ Sherrif عربی لفظ شریف سے ماخوذ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امرا کے طبقہ کی نجابت کے علاوہ مغربی زبانوں میں بنیادی انسانی شرافت کے لیے بھی کوئی اصلاح نہیں تھی۔ اس لیے انھوں نے عربی کے اس لفظ کو جوں کا توں اپنا لیا۔ یہ لوگ شہری حفاظت کی تنظیم سے بھی زیادہ آشنا نہ تھے۔ انگریزی لفظ Security اور فرنچ لفظ Surete غالباً عربی لفظ شرط سے نکلے ہیں جو شہری پولیس کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اقتصادی زندگی

اقتصادی زندگی میں مسلمانوں نے مغربی یورپ کو پہلی مرتبہ بین الاقوامی تجارت سے روشناس کرایا۔ ان کے ذریعہ اہل مغرب کو اس کے بعض بنیادی اصولوں سے واقفیت حاصل ہوئی۔ اس کی زندہ شہادت بھی ہمیں یورپی زبانوں کے مطالعہ سے ہی ملتی ہے۔ مثلاً ٹیرف (Tariff) یعنی درآمدی ٹیکس کا لفظ عربی اصل 'تعریف' سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ فرانسیسی میں Custom کے محکمہ کو دوآن (Douane) (عربی دیوان) کہتے ہیں۔ خود انگریزی کا لفظ چیک (Cheque) عربی لفظ شُقّہ سے لیا گیا ہے اور فرانسیسی لفظ سیکان (Sequin) سکہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے مغرب کے پہلے بنکوں نے بھی صلیبی جنگوں کے دوران میں ارض مقدس میں ہی جنم لیا تھا۔ باہمی ترجمانی کے لیے ان کے ہاں کوئی مترادف لفظ موجود نہیں تھا۔ فرانسیسی لفظ دراجومان (Dragoman) کی اصل لفظ "ترجمان" ہے۔

کاشتکار یا غلام

مغربی یورپ کی تاریکی میں اسلامی ثقافت کی آمد ایک رنگین پہلو دار قندیل کی سی تھی جس نے زندگی

کے مختلف شعبوں کی تاریکی کو نئے نئے رنگوں کی روشنی سے کافور کر دیا۔ اس مختصر مضمون میں ان تمام پہلوؤں کو پیش کرنے کی گنجائش نہیں اس لیے ہم ان بوقلموں اور گوناگوں مرقع کا محض ایک پہلو لیتے ہیں اور وہ ہے غلاموں کی سماجی حیثیت۔ امرا کے طبقے کو چھوڑ کر مغرب کی باقی آبادی کی حیثیت غلاموں کی تھی۔ ان کے کسان سرف (Serf) کہلاتے تھے۔ ان کی حیثیت زراعت پیشہ غلاموں کی تھی۔ سرف لوگوں کے لیے زمین کی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ سرف جاگیردار کی اجازت کے بغیر جاگیر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اگر شادی کرتا تھا تو جاگیردار سے اجازت لینا تھا۔ اگر اسے میراث ملتی تھی تو اس کا ایک حصہ جاگیردار کی نذر کرنا پڑتا تھا۔ وہ آدھے وقت اس کھیت پر کام کرتا تھا جو آقا نے اس کو دیا ہوا تھا اور آدھا وقت آقا کی ذاتی زمینوں پر کام کرتا تھا۔ جب ایک زمیندار دوسرے سے زمین خریدتا تھا تو زمین کے ساتھ اس کے کاشتکاروں، اس کے بیٹوں، بیٹیوں اور بیویوں تک کی فہرست ہوتی تھی۔ اسی صدی کے شروع میں ایک روسی زمیندار جب کوئی جاگیر خریدتا تھا تو کاغذات میں زمین کے رقبے کے ساتھ ساتھ "روحوں" کی تعداد بھی درج ہوتی تھی (Souls) یا روحوں سے مراد تھے کاشتکار کے کنبہ کے افراد، گویا زمیندار ان کے جسموں کا ہی نہیں بلکہ روحوں کا بھی لین دین کر سکتا تھا۔

کسان کی حیثیت

اسلامی سپین اور سسلی کے مسلمانوں نے کسان کی حیثیت کو بدل دیا۔ کسان کی آزادی کا منشور اعظم تو حضرت عمرؓ کا وہ فیصلہ ہے جو انھوں نے عراق کی زمینوں کے بارے میں دیا تھا۔ جب انھیں کہا گیا کہ وہ ان زمینوں کو فوج کے سپاہیوں میں تقسیم کرنے کی اجازت دے دیں تو انھوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اسلامی سلطنتوں میں کسان کی حیثیت ایک آزاد شہری کی تھی اور محض اس سماجی اور قانونی حیثیت کی وجہ سے ہی یورپ کے ان علاقوں میں دیہی آبادی کا اخلاقی معیار خود بخود بلند ہو گیا تھا۔

غلاموں کا درجہ

لیکن غلاموں کے بارے میں تو اسلام کے اصول نہایت غیر مبہم اور واضح تھے۔ رسول کریمؐ کا حکم ہے کہ "اپنے غلاموں کو وہی کھانا دو جو تم کھاتے ہو اور وہی کپڑے پہناؤ جو تم پہنتے ہو اور ان کو کبھی ایسا

کام کرنے کو نہ کہو جس کی ان میں سکت نہ ہو۔" اس حدیث کو حضرت ابوذر غفاری سے روایت کیا گیا ہے لیکن اس کی روایت کے اثر انگیز پس منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے ان الفاظ سے انسانی ہمدردی کے سرچشمے کس طرح ابلنے لگے۔ حضور کے ارشادات نے انسانی محبت کے سوتوں کو کس طرح جگا دیا۔ لوگوں نے ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری اور ان کے غلام کو دیکھا کہ دونوں عجیب قسم کا انمل، بے جوڑ لباس پہنے ہوئے ہیں۔ ان کی چادر ایک رنگ کی ہے اور تہمد دوسرے رنگ کا۔ غلام کا بھی بعینہٖ ویسا ہی لباس تھا۔ کسی نے حضرت ابوذر غفاری سے پوچھا کہ اگر آپ چادر اور تہمد ایک ہی رنگ کا پہن لیتے تو آپ کا اور آپ کے غلام کا لباس تشتر گربہ قسم کا نہ ہوتا۔ کہنے لگے اگر میں دونوں چادریں ایک ہی رنگ کی پہن لیتا تو ہم دونوں کے لباس میں رنگ کے لحاظ سے فرق ہو جاتا۔ اس کے بعد آپ نے اس حدیث کو روایت کیا جسے اوپر بیان کیا گیا ہے۔

عیسائیت اور غلامی

یورپ کے تاریک دور کی قبائلی زندگی میں عوام کی سماجی حیثیت اس قدر پست نہیں تھی کیونکہ ان کا نظام حیات شہنشاہیت پر مبنی نہیں تھا۔ لیکن ابتدائی عیسائیت، بازنطینی، رومی شہنشاہیت کے ماحول میں پروان چڑھی۔ اس ماحول میں غلامی، سیاسی حالات کا ایک منطقی اور لازمی نتیجہ بھی اور معاشرتی ڈھانچے کا لازمی عنصر۔

انجیل کے الفاظ ہیں " اے خادمو! اپنے آقاؤں کی اپنے جسم سے اطاعت کرتے رہو۔ ان سے ڈرتے رہو اور کانپتے رہو۔ ان کی اسی خلوص دل سے اطاعت کرو جیسے حضرت عیسیٰ کی کرتے ہو۔" دوسری جگہ پر " اے خادمو! اپنے آقا کی پورے ڈر سے اطاعت کرو۔ نیک اور نرم مزاج کی ہی نہیں بلکہ درشت اور ہتھ چھٹ مالک کی بھی۔"

لوقا کی انجیل کے مطابق "جو خادم اپنے آقا کا دلی منشا جانتا ہے لیکن نہ تو اس کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرتا ہے اور نہ ہی عمل کرتا ہے تو اس کو بہت کوڑے مارے جائیں گے۔" مسلمانوں کے عقائد کے مطابق انجیل مقدس کے یہ ٹکڑے نہ کلام الٰہی کی ترجمانی کرتے ہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ کی ذات بابرکات کی۔ یہ یقیناً الحاقی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو قصور کے بغیر سزا دیتا ہے یا اس کے منہ پر تھپڑ مارتا ہے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔

غلام کی مکاتبت یعنی آزاد کرنا احکام قرآن میں سے ہے۔ مکاتبت غلاموں کا حق ہے اور آقا کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اپنی طرف سے بھی اس کار خیر میں ان کی مالی لحاظ سے بھی امداد کریں۔

غلاموں کی انجمنیں

ان اسلامی اصولوں کا کم از کم اندلس اور سسلی کی معاشرتی زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ سلطنت قرطبہ میں غلاموں کے طبقے خاص طور پر صقالیہ (Scaemes) کو جو عروج حاصل ہوا وہ اہل مغرب کے لیے سماجی تعلقات کے میدان میں ایک حیرت انگیز انکشاف تھا۔ یہ غلام موالی کہلاتے تھے یعنی آزاد کردہ غلام۔ اندلس میں عیسائی غلاموں کو بھی مکاتبت کا حق حاصل تھا۔ ہر اہل حرفہ کی طرح ان کی اپنی انجمن تھی جسے الصقالبہ کہا جاتا تھا اور اسے سلطان الوقت کی طرف سے تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان کے اثر اور رسوخ کی یہ کیفیت تھی کہ جب اندلس میں طوائف الملوکی ہوئی تو ان غلاموں نے تین شہروں یعنی Denice ، Valence اور Tortoad میں اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔

لونڈیوں کی تربیت

اندلس میں غلاموں کی تربیت پر جو خاص توجہ دی جاتی تھی اس کی مثال ہمیں ابن بسام کے ایک رسالے میں ملتی ہے۔ ایک حکیم ابن کتانی جس کو لونڈیوں کی تربیت کا خاص شوق تھا فخر کے طور پر کہا کرتا تھا "ان گھریلو دیہاتی لڑکیوں کا تو ذکر ہی کیا، میں چاہوں تو پتھر میں بھی ذہانت کی جلا پیدا کر دوں"۔ اس سلسلے میں اس نے بتایا کہ آج کل اس کے گھر میں چار عیسائی لونڈیاں ہیں جو شروع میں بالکل کودن تھیں لیکن آج وہ سب کی سب منطق، فلسفہ، جغرافیہ، موسیقی، ہیئت، علم نجوم، کرۂ ہیئت کے استعمال علم نحو، علم العروض، ادب اور خطاطی میں ماہر ہیں۔ انھوں نے قرآن کی تفسیر تک لکھی ہے۔ میں نے Sahla کے سلطان کے ہاتھ ایک لونڈی فروخت کی جو فصاحت و بلاغت، طب، طبیعیات اور نباتیات میں ماہر تھی۔

اسلامی اخلاق اور غلاموں کا کردار

غلاموں کے طبقہ نے اندلس میں جو ترقی کی اور ان کا جو منصب صلاح الدین ایوبی اور دوسرے ملوک سلاطین کے درباروں میں تھا اس کا صلیبی سرداروں پر بھی خاص اثر پڑا۔ اگر آپ سر والٹر اسکاٹ کا مشہور ناول طلسمان (Talisman) پڑھیں تو اس میں آپ کو چند ایسے غلاموں کا کردار ملے گا جو ناول کے ہیرو کے ساتھ ارض مقدس سے انگلستان آ گئے تھے۔ سر والٹر نے تاریخی روایات کی

بنا پر ان کے کردار کو حقیقت کے اس سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جو اس نے پرانے تاریخی ماخذوں سے فراہم کیا تھا۔ ان غلاموں کے کردار موالیوں کا ایسا نمونہ ہیں جو اپنی آزادیٔ رائے اور عمل میں انگلستان کے آزاد شہریوں سے یقیناً ممتاز نظر آتے ہیں۔

لیکن اگر آپ کو اسلامی اخلاق کی پُر کاری اور والہانہ اثر انگیزی کا مطالعہ کرنا ہے تو آپ امریکہ کی بلیک مسلمز (Black Muslims) کی تحریک کا مطالعہ کریں۔ ان مسلمانوں میں آپ کو آج بھی قرونِ اولیٰ کے لوگوں کا والہانہ جذبہ نظر آئے گا۔ ان اسلامی اثرات نے آج امریکہ کے ماہرین نفسیات کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ ان کے ماہرین معاشریات کو انگشت بدنداں کر دیا ہے۔ ان کے مذہبی رہنماؤں کو ورطۂ استعجاب میں پھنسا دیا ہے۔ آج وہ پورے امریکہ کے لیے ایک اخلاقی چیلنج ہیں، اور اسی چیلنج اور اعلان مبازرت کے علم بردار ہیں جس کو صدیوں پہلے مسلمانوں نے اہل مغرب کے سامنے پیش کیا تھا۔

مشاہیر اسلام

(خواجہ عباد اللہ اختر)

اسلام کی تاریخ مشاہیر و اکابر کے حیات افروز اور روح پرور سوانح حیات کا ایک دلکش اور دل آویز مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں محمود غزنوی جیسا سپہ سالار اور کشور کشا بھی میدان جنگ میں رجز خواں نظر آئے گا اور سید محمود جونپوری کا جوش جہاد و جذبۂ عمل بھی محسوس و مشہود صورت میں دکھائی دے گا۔

صفحات ۲۷۴ — ۶ روپے

ملنے کا پتہ

سیکرٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ، لاہور